راحت وفا

”اکبر! یہ ناشتا تو ٹھنڈا ہوگیا‘ کیا کرتے رہے؟“ زاہدہ نے اسے موبائل فون پر محو دیکھ کر بے زاری سے کہا اور کمرے میں پھیلی بے ترتیب چیزیں سمیٹنے لگی۔

”تمہاری ہی نوکری کررہا تھا۔“ وہ فون بند کرکے ٹرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری کون سی نوکری؟“ اسے تعجب سا ہوا۔

"یہی نوکری رہ گئی میری' زاہدہ بیگم کو سالگرہ کی محفل میں بلانا ہے' محفل موسیقی میں بلانا ہے' مہندی میں بلانا ہے' وقت نوٹ کرلیں۔" وہ کسی مقرر کی طرح بولا۔

"ایڈوانس لے لو' پوری رقم لے لو' یہ جملے بھول گئے کیا؟" زاہدہ نے پوچھا۔

"جتارہی ہو؟ تم گانا چھوڑ دو۔" وہ بولا۔

"اکبر! ان معمول کی باتوں سے میں تنگ آگئی ہوں۔"

"مجھ سے بھی تنگ آگئی ہو؟"

"ناشتا کرو میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے' میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔" وہ سر ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولی۔

"اوہ! نہیں مجھے تو کھٹے ڈکار آرہے ہیں تم نے رات جانے سے پہلے جو کھانا دیا تھا وہ شاید ٹھیک نہیں تھا۔" وہ بُرا سا منہ بناکر لیٹ گیا۔

"کھانا تو بہت اچھا تھا۔"

"لیکن بازاری تھا۔"

"سب کچھ ہی بازاری ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"بہرحال میں رات بھر سو نہیں سکا۔"

"کم کھانا تھا۔" وہ جل کر بولی۔

"ایک لیگ پیس' ایک نان اور ایک کباب ہی تو کھایا تھا۔" وہ وضاحت کے لیے اٹھ بیٹھا۔

"پھر کھٹے ڈکار کیوں آرہے ہیں؟"

"شاید نیند پوری نہیں ہوئی۔" اس نے منہ کھول کے جمائی لی۔

"اب ناشتا لے جائوں؟"

"ہنہہ! دوپہر کا کھانا کھائوں گا' تم دو بجے تک آجائو گی نا۔" اس نے پوچھا۔

''میں دوپہر کے لیے فتح شیر سے انکار کرچکی ہوں' مجھ میں ہمت نہیں رہی' سونا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''مگر یہ تو بہت بڑے گھر کی تقریب ہے' فتح شیر اور استاد ہدایت اکیلے پچاس ہزار کمالیں گے۔''

''ان کے ساتھ پانچ سازندے بھی ہوتے ہیں' سب میں برابر پیسے تقسیم ہوتے ہیں۔''

''تو پھر بھی ہمارا نقصان ہے۔''

''میں نے رات محفل موسیقی میں جانا ہے' اب دن میں آرام کروں گی۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھی تو اکبر نے خاموشی اختیار کرلی۔ناشتے کی ٹرے لیے وہ نوشین کے کمرے میں آگئی۔وہ گھوڑے بیچ کر سوئی تھی یا مردوں سے شرط باندھ کر' اس کا اندازہ مسلسل پانچ چھ آوازیں لگا کے بعد اسے ہوگیا۔

''اوں ہنہہ کیا ہے آپا؟'' نوشین نے کسلمندی سے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔'' وہ جل کر بولی۔

''تمہیں سدا سے میری نیند بُری لگتی ہے یہ بات اماں اور ابا کو بھی معلوم تھی' اس لیے وہ بھی تمہارا نام لے لے کر جگاتے رہتے تھے۔'' پوری طرح آنکھیں کھول کر وہ ماضی قریب میں پہنچ گئی۔

''مگر وہ دونوں سوگئے اور تم پھر بھی نہ جاگیں۔'' زاہدہ نے کہا اور ٹرے وہیں رکھ کے مڑنے لگی تو وہ بولی۔

''مجھے ناشتا نہیں کرنا۔''

''مرضی ہے تمہاری۔''وہ بھی مختصراً کہہ کر باہر نکل گئی۔

...☆☆☆...

اسے جہیز میں ملنے والی بہن یا بری میں ملنے والے شوہر کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے بھی دونوں کے معیار زندگی کا پتا نہیں چلا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ بچپن میں ہی سریلی آواز کی وجہ سے ابا نے اسے یہ پکا کرادیا تھا کہ

موسیقی روح کی غذا ہے اور موسیقی میں نام پیدا کرنا ہے۔ریڈیو سے ریٹائر استاد جمن خان سے ابا کی دعا سلام تھی، یوں اسکول کی پانچ جماعتوں کے بعد وہ صرف موسیقی کی طالبہ بن گئی۔استاد نے ایسا سبق پڑھایا کہ اس کی آواز کا جادو دور دور تک پھیل گیا۔چھوٹے بڑے فنکشن میں، تقریبات میں استاد اسے ننھی آواز کے طور پر متعارف کراتے تو وہ تتلی کی مانند ہوائوں میں اڑنے لگتی۔اس کی اڑان نے گھر کے چھوٹے سے آنگن اور باورچی خانے میں اشتہا انگیز کھانوں کی مہک بھردی۔کبھی مرغ پلائو، کبھی تکہ بوٹی اور کبھی چرغہ... اماں نے ہانڈی کی تیاری غریب کی خوشیوں کی مانند محدود کردی تھی۔

تھوڑے بہت ملنے والے پیسوں سے مہینے میں ایک دو جوڑے سلتے جنہیں پہن کر وہ محفلوں میں جاتی۔امراء کی محفلوں میں اعلیٰ ترین لباس دیکھ کر وہ بھی اپنے سادہ سے سوتی کپڑوں میں مطمئن رہتی اور آواز کے رچائو سے سُر بکھیرتی تو سماں بندھ جاتا۔دھیرے دھیرے یہ سُر سنگیت کا سفر پھیل کر اس کی رات دن کی مصروفیت میں بدلتا چلا گیا۔

...☆☆☆...

اس کی کامیابی اور شہرت کے حصے دار ایک مخصوص طبقے کے لوگ تھے کیونکہ نیم کلاسیکی اور کلاسیکی گائیکی کے علاوہ وہ فرمائشی مشہور فلمی گیت بھی گایا کرتی لیکن نئی نسل کی پسند کے مطابق پاپ اور راک میوزک سے اس کی شناسائی نہیں تھی۔لوگوں نے مشورے بھی دیئے لیکن اس کا مزاج ایسا نہیں تھا۔

ابا نے نوشین کو بھی اس فن کی طرف راغب کرانے کی کوشش کی لیکن بات نہیں بنی۔اس کے پاس اچھی شکل صورت تو تھی مگر آواز میں سُر اور گداز نہیں تھا۔مزاجاً بھی وہ موسیقی پر جھوم جھوم کے نہ سر دُھن سکتی تھی اور نہ گردن ہلاسکتی تھی۔پڑھنے لکھنے سے اسے رغبت نہ تھی بس وہ خود میں مگن رہنے والی لڑکی تھی۔اماں ابا کی محبت دونوں کے لیے یکساں تھی، مگر اس کے کام سے ابا کا بوجھ کم ہوگیا تھا۔انہیں چائے کے کھوکھے سے جو بھی

آمدنی ہوتی وہ جمع کرکے اس کی شادی اماں نے اپنے بھانجے اکبر سے کردی۔

وہ شادی کرنے آیا تو گھر داماد ہی بن گیا۔

ابا نے اسے اپنے ساتھ کھوکھے پر ہی رکھ لیا۔ان دونوں کے مرنے کے بعد اس نے کھوکھا کرائے پر دے دیا اور اس کا سیکریٹری بن گیا۔

وہ گانے گا کر گھر چلارہی تھی‘ چار سال سے وہ ساتھ تھا مگر شوہر کم سیکریٹری زیادہ... یہ الگ بات تھی کہ بدتمیز اور بدتہذیب نہیں تھا۔زاہدہ کو اسی لیے اس سے محبت تھی۔

وہ کمرے میں آئی تو پھر اکبر نے فتح شیر کے فون کا ذکر کیا مگر وہ بیڈ پر گرگئی۔

’’پلیز مجھے سونے دو‘ فون بند کردو۔‘‘

’’جیسی تمہاری مرضی‘ میں باہر جارہا ہوں ‘ کچھ لانا ہے توبتائو۔‘‘ اس نے سیاہ سینڈل پیروں میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

’’نوشین سے پوچھ لو‘ مجھے تو کچھ نہیں چاہیے۔‘‘ اس نے بوجھل پلکیں گراتے ہوئے دھیرے سے کہا۔اکبر موبائل فون اور بٹوہ جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا۔اس نے اندازے سے جان لیا کہ وہ جاچکا ہے تو پُرسکون ہوگئی۔

یہ نیند بھی عجیب شے ہے کہ چاہو بھی تو اس کے بنا گزارہ نہیں‘ نہ چاہو تب بھی یہ قربت کا احساس دلاتی ہے۔اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ کتنا سوئی؟ آنکھ نوشین کے پیر کا انگوٹھا ہلانے سے کھلی۔

’’آپا! شام کے چھ بج رہے ہیں اورکتنا سونا ہے؟‘‘

’’اوہ!‘‘ اس نے آنکھیں کھول کے انگڑائی لی۔

’’آج تو تم بہت سوئی ہو تقریباً سارا دن۔‘‘

’’دن میں آدمی سوتا نہیں‘ آنکھوں کو نیند کا احساس دلاتا ہے۔‘‘ وہ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

”اگر تمہیں فلموں کے گانے مل جائیں تو چھوٹی موٹی تقریبات میں جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔میں نے سنا ہے ملکۂ ترنم نور جہاں کی بڑی ٹور تھی۔“ اس نے ایسے بتایا جیسے عظیم گلوکارہ کی پرسنل سیکریٹری رہ چکی ہو۔

”ہر انسان اپنے مقدر کا مالک ہوتا ہے مجھے تو کوئی احساس کمتری نہیں۔چھوٹی محفل میں جائیں یا بڑی میں، ہمیں لوگ میراثی ہی کہیں گے۔“

”اسی لیے تو میں نے ماسٹر دین محمد کی چھیمو کا منہ نوچا تھا۔“نوشین نے جذباتی ہوکر کہا۔

”حقیقت تو یہی ہے منہ نوچنے سے زبان بند ہوتی ہے نہ بدلتی ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”ہنہہ! ایسے ہی لوگ ہمیں میراثی کہیں۔“ نوشین کسی طور پر یہ بات ماننے کو تیار نہ تھی۔

”آپا کی جان! سب کی سنو اور خاموش رہو، اسی میں کامیابی ہے۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

”بس بس گلوکارہ ہی رہو استانی نہ بنو۔“ اس نے شرارت سے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”چلو جلدی سے چائے پلادو، دیر ہورہی ہے۔“

”ابھی لائی، کپڑے میں نے استری کردیئے ہیں۔“ وہ بتاکر باہر گئی، تو کپڑے ہینگر سمیت لیے اکلوتے چھوٹے سے واش روم میں گھس گئی۔

...☆☆☆...

مغرب کی نماز پڑھ کر اکبر آیا تو وہ تیار ہورہی تھی۔نوشین نماز پڑھ رہی تھی، اس نے رکشہ لانے کے لیے کہا تو وہ بڑے پیار سے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

”ایسی سج دھج کے ساتھ رکشے والے کے ساتھ تو نہیں بھیجوں گا جانِ من!“

”کافی دور جانا ہے نوشین اکیلی رہے یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”نہیں، میں خود چھوڑ کے آئوں گا‘ کچھ نہیں ہوتا نوشین کو‘ وہ نماز پڑھنے کے بعد دو گھنٹے تو وظیفے پڑھے گی‘ باہر سے تالا لگا دیتے ہیں‘ ڈر کیسا؟“ اکبر نے مشورہ دیاا ور خود بھی بالوں میں کنگھا کرنے لگا۔وہ شوہر کے احساس پر فدا ہوئی۔جلدی سے سفید چادر میں خودکو چھپایا‘ اپنی سیاہ ڈائری اٹھائی اور صحن میں آگئی۔اکبر نے میلے کپڑے سے موٹر سائیکل کی سیٹ ایسے جھاڑ پونچھ کے صاف کی جیسے زاہدہ بیگم نے مالیدہ یا کمخواب کا سوٹ پہنا ہو‘ اکبر کی اس ادا پر وہ مسکرادی اور اچک کر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

اکبر کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھنا اسے بہت اچھا لگتا تھا لیکن ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔زیادہ تر وہ رکشہ‘ ٹیکسی پر جاتی تھی اور واپس بھی اسی طرح آتی۔ اس کی مزدوری‘ بارش‘ سردی‘ گرمی جیسے موسموں سے بے نیاز تھی۔ایک مرتبہ تیز بارش میں رکشہ راستے میں بند ہوگیا اور اسے پیدل گھر تک آنا پڑا۔ایسے میں حکیم طفیل محمد کی ماں نے اپنے دروازے سے جھانکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”زاہدہ! تمہاری زندگی سے تمہیں تو محبت ہونی چاہیے‘ کیسا مرد ہے وہ تمہیں لا نہیں سکتا۔گھر کے صحن میں بھی عورت بھیگے تو بُرا لگتا ہے ارے تم باہر سے تربتر پیدل آرہی ہو۔“ انہوں نے اس انداز میں ہمدردی کا اظہار کیا کہ اس کے دل میں برچھی کی طرح اتر گیا مگر جواب دینا مناسب نہیں تھا سو چپ ہوکر دروازے تک آگئی۔

...☆☆☆...

آج رات بھی حسب معمول دیر ہوگئی‘ رکشے کی آواز پر اکبر نے دروازہ کھولا اور اس کے اندر آنے پر بند کیا۔وہ چادر اتارتی ہوئی کمرے میں آگئی۔

”سوگئے تھے؟“ غیر ارادی طور پر پوچھا۔

”نہیں... تمہارا انتظار کررہا تھا۔“ وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

”آج کھانا وہیں کھلادیا۔“

”میں تمہارے لیے جاگ رہا تھا‘ کھانے کے لیے نہیں۔“

"ہائے میری جان! کتنے اچھے ہو تم۔" وہ اس پر جھک کر پیار سے بولی۔

"تم بھی تو اچھی ہو۔"

"ویسے تم لوگوں نے کچھ کھایا کہ نہیں۔" وہ فکر مند ہوئی۔

"ہاں! میں عشاء پڑھ کر آتے ہوئے برگر لے آیا تھا' نوشین سے کچھ پکوا تو سکتا نہیں تھا۔"

"ویسے بھی وہ نیند کی رسیا تو عشاء کے بعد ہی سوجاتی ہے۔"

"چلو یار! چھوٹی بہن ہے اس کا ہمارے علاوہ ہے ہی کون؟" وہ بولا تو کپڑے تبدیل کرنے کے لیے چلی گئی۔

اگلے دو تین دن اس کی کسی تقریب کی کمٹمنٹ نہیں تھی اس نے سکھ کا سانس لیا' بڑے عرصے سے کچھ خریداری التوا میں پڑی تھی' اس لیے اس نے فہرست بناکر اکبر کو بازار لے جانے کے لیے کہا تو وہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔اس کی بات پر متوجہ نہ ہوا تو نوشین کو مداخلت کرنی پڑے۔

"اکبر بھائی! آپا تم سے کچھ کہہ رہی ہیں۔"

"ہنہہ... ہاں کیا...؟" وہ محویت سے باہر نکلا۔

"بازار لے چلو۔"

"چلو' لیکن کتنی دیر لگے گی؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔"

"اگر دیر ہوئی تو پھر رکشہ پر واپس آجانا مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔وہ اس بات پر راضی ہوگئی۔چلتے ہوئے نوشین نے بھی اپنی ضروری چیزوں کی لسٹ اس کی مٹھی میں تھمادی۔

وہ جب واپس گھر پہنچی تھی تو ظہر کی نماز کے بعد کا وقت تھا۔نوشین باورچی خانے میں چاول پکا رہی تھی اکبر ابھی گھر نہیں آیاتھا۔چادراتار کر ٹھیک سے بیٹھی بھی نہیں تھی کہ ریڈیو اسٹیشن سے پروگرام منیجر کا فون آگیا' اسے رات کے سالانہ فنکشن میں گانے کی دعوت دی تھی' جو اس نے قبول کرلی۔

"آپا! کتنے پیسے ملیں گے؟" اس کی فون پر بات سن کر نوشین نے پوچھا۔

"پتا نہیں، شاید نہیں ملیں گے۔"

"یہی تو تمہارا مسئلہ ہے محلے میں خواری بھی اور پیسہ بھی نہیں۔میراثی سے سنگر کیوں نہیں بنتیں؟" نوشین نے جل کر کہا۔

"میرے پاس نہ سفارش تھی اور نہ اچھی قسمت، فلمیں، پیسہ، شہرت ان کے لیے ہے جن کا کوئی بڑا تعارف ہو۔"

"ہنہہ!" وہ ہنکارا بھر کے واپس باورچی خانے میں چلی۔اسے احساس تھا کہ نوشین کی سوچ غلط نہیں ہے مگر وہ بڑی اسکرین اور بڑی میوزک کی دنیا کی فنکارہ نہیں تھی۔

"یہ لو کھانا کھائو اور سوجائو، رات پھر بنا پیسے کے جاگنا ہے۔" نوشین نے چاول کی پلیٹ اور اچار اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تُو دل نہ جلایا کر، ہر حال میں خوش رہتے ہیں، تیری شادی کے لیے میں نے بہت سے پیسے جمع کر رکھے ہیں۔" وہ پیار سے بولی۔

"میری شادی... مجھ سے کون شادی کرے گا؟ اب اور کوئی اکبر تو ہے نہیں۔" نوشین نے پوچھا تو وہ لرز سی گئی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں کرے گا؟ کبھی آئینہ دیکھا ہے تُو نے؟"

"صرف صورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔"

"ہاں سیرت بھی ضروری ہوتی ہے اور تُو صورت سیرت دونوں سے مالا مال ہے، میں تو اللہ کی گناہ گار بندی ہوں۔تُو تو اللہ کو یاد رکھتی ہے، تری دعائوں کا اثر ہے کہ میں کچھ سامانِ زندگی کرلیتی ہوں۔" زاہدہ نے اسے محبت سے سینے سے لگا کر کہا۔

"اچھا اب چھوڑو یہ باتیں، کھانا کھاکر آرام کرو۔" نوشین بہن کی محبت اور دل گرفتگی دیکھ کر ٹال گئی۔

...☆☆☆...

شام کو وہ تیار ہورہی تھی کہ حکیم طفیل محمد کی ماں پوتا پیدا ہونے کی خوشی میں چار لڈو پرانی سی کنارے جھڑی پرچ میں رکھے آگئی۔دو کمروں میں سے یہ انتخاب کرنا انتہائی آسان تھا کہ زاہدہ کا کمرہ کون سا ہے لہٰذا وہ وہیں آگئی۔

نوشین نے بتایا کہ آپا تیار ہورہی ہیں لیکن وہ بلند آواز میں بولیں۔

''ارے بھئی محلے داروں کا بھی کوئی حق ہوتا ہے' ہم کوئی گانا سننے تو نہیں آئے۔'' یہ سن کر وہ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگی' البتہ نوشین نے تڑک کر کہا۔

''گانا سن لو مگر اس کے لیے پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور تمہارے پاس پیسے ہوتے تو نئی چار پلیٹیں خرید لیتیں۔''

''نوشین... تم جائو۔'' زاہدہ نے جلدی سے کہا۔

''میں بھی جارہی ہوں' سچ کہتے ہیں محلے والے۔'' وہ اپنی خالی پلیٹ مضبوطی سے ہاتھ میں دبا کر بولیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیا سچ کہتے ہیں چاچی...؟''

''کچھ نہیں' چاند چڑھے گا تو کل عالم دیکھے گا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

تب زاہدہ کا دل مٹھی ہیں پھڑپھڑانے لگا۔تیاری بھول بھال کر بڑی دیر وہ سوچ میں گھری رہی۔

چاچی کی بات نے اس کے دل میں ڈیرے ڈال لیے تھے۔وہ جانے کیوں بہت گرم دودھ پیے بنا بھی چھاچھ پھونک کے پینے لگی تھی' کسی طرف دھیان نہیں رہا تھا۔مجبوراً جاتی اور بے دلی سے لوٹ آتی۔اسے یہ بات بے چین کرگئی تھی کہ محلے والے کیا سچ کہتے ہیں؟ میراثی کہتے ہیں؟ گانے والی کہتے ہیں؟ یہ تو اسے پتا تھا اس کے علاوہ کون سا

سچ ہے یہ وہ نہیں جان پارہی تھی۔اکبر نے الجھا الجھا دیکھ کر کئی بار پوچھا مگر وہ ٹال گئی۔سامنے سالن کی پلیٹ میں ہاتھ رکھ کے بھول جاتی تو نوشین کو پریشانی ہوتی مگر اس کے لیے بھی کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس' گھر سے باہر نکلتے ہوئے چور نظروں سے چاروں طرف دیکھ کر رکشہ یا ٹیکسی میں

بیٹھتی‘ کوئی دیکھتا یا نہیں دیکھتا مگر اسے ایسا ہی لگتا کہ سب اسی کو دیکھ رہے ہیں۔سب کے خوف سے اس کی چادر کا سائز اور بڑھ گیا تھا۔موسموں کے احساس سے عاری چادر دبیز سے دبیز ہوتی چلی جارہی تھی۔

"آپا! ایسا لگتا ہے کہ تم گانے نہیں بلکہ وعظ کرنے جاتی ہو۔" نوشین نے ایک روز چڑ کر کہہ ہی دیا۔

"ہاں یار! تم تو باوا آدم کے زمانے میں جارہی ہو‘ لوگ بور ہوجاتے ہوں گے۔" اکبر نے بھی چائے کی چسکی لیتے ہوئے نوشین کی تائید کی تو وہ پہلی بار بھٹی میں اتر گئی۔

"لوگوں کا خیال رکھوں یا اپنا‘ کون سے لو گ خوش ہوں گے اور کون سے نا خوش؟"

"تمہیں کیا ہوگیاہے؟" اکبر کو تعجب ہوا۔

"تم نہیں سمجھو گے‘ میں لوگوں کے کس طبقے سے تعلق رکھتی ہوں‘ یہ تم نہیں بتاسکتے۔" وہ الجھی الجھی سی بات کرکے تکیے میں منہ دے کر لیٹ گئی۔

"تم سوجائو‘ آنکھیں سرخ ہورہی ہیں۔" اکبر نے ہمدردانہ مشورہ دیا۔

"ہاں! رات کو تو بہت دیر سے آئی ہیں۔" نوشین نے ناشتے کے برتن سمیٹے۔

"اس دن کے بعد سے چاچی ہمارے گھر نہیں آئیں‘ ہیں نا۔" اس نے ایک دم نوشین سے پوچھا۔

"تو... دفع کرو‘ ہماری کیا لگتی ہیں۔" نوشین نے جواب دیا‘ وہ چپ ہوگئی۔

...☆☆☆...

اسی طرح چھ مہینے گزر گئے‘ نہ اس کے ذہن سے وہ جملہ نکلا اور نہ اسے سکون حاصل ہوا‘ بس کوئی کسک سی تھی‘ وہ اس شام ایک پرائیوٹ ٹی وی چینل پر گانا ریکارڈ کراکے اسٹوڈیو سے باہر نکلی تو پروڈیوسر نے چائے آفر کی۔ مناسب قدو قامت کے درمیانی عمر کے باری صاحب سے وہ پہلی بار ملی تھی‘ وہ اس کی آواز اور گائیکی پر جھوم جھوم جارہے تھے۔اس نے بہت بار معذرت کی مگر وہ مصر تھے‘ بڑی ادا سے بولے۔

''ارے میڈم زاہدہ! آپ کیا جانو لوگ کیا کہتے ہیں؟'' وہ کانپ سی گئی' چاچی جھٹ باری صاحب کے برابر آکر کھڑی ہوگئیں۔

''جی... نہ... نہیں تو...'' وہ ہکلائی۔

''ارے چھوڑیئے آپ کو انداز ہی نہیں کہ بات کیا ہے؟'' باری صاحب کے گھنٹی بجانے پر پانچ منٹ میں چائے حاضر ہوگئی۔

''لیجیے۔''

''جی' شکریہ۔'' اس نے کپ میں برائے نام چینی ملاتے ہوئے کہا۔

اسی اثناء میں انہوں نے اپنے کمرے میں موجود ایل سی ڈی ٹی وی کو ریموٹ سے آن کیا۔نیوز ٹائم میں ہیڈ لائنز کے بعد تفصیلی خبریں نشر ہورہی تھیں۔

''خبروں کے بعد آپ کا گانا آن ائیر ہوگا۔بس جتنی دیر میں ہم چائے پئیں گے۔'' باری صاحب نے والیم کم کرتے ہوئے بتایا۔اس نے اثبات میں گردن ہلاکر کپ ہونٹوں سے لگا کر نظریں اسکرین پر مرکوز کردیں مگر آن واحد

میں اس کے ہاتھ سے کپ بنا لرزش کے چھناکے سے چکنا چُور ہوگیا۔نیوز رپورٹ میں اس کا گھر کیمرے کی آنکھ میں تھا' لوگوں کا ہجوم گھر کے آنگن میں تھا۔وہ خوف زدہ ہوکر چلانے لگی۔

''آواز کھولیں... آواز اونچی کریں' یہ تو میرا گھر ہے' یہ سب کیا ہے؟'' باری صاحب نے گھبرا کر فل والیم کردیا۔نیوز رپورٹر مائیک پر لوگوں کے تاثرات جان رہا تھا۔سب کی ملی جلی آوازیں تھیں۔

''ان دونوں کو نہیں جی ان تینوں کو سنگسار کرنا چاہیے۔یہ گھر میں رنگ رلیاں مناتے ہیں اور وہ باہر گندگی سے پیسہ کماکر لاتی اور یہ سالی بہنوئی عیش کرتے ہیں۔''

صحن کے فرش پر گھٹنوں میں منہ دیئے اکبر اور نوشین کو محلے والے ٹھوکریں اور ٹھڈے مار رہے تھے۔

''یہ جھوٹ ہے' یہ غلط ہے سر!'' وہ جذباتی ہوکر باری صاحب کی طرف پلٹی جو بڑے انہماک سے نیوز رپورٹ دیکھ رہے تھے۔اس نے بے بسی سے دوبارہ

اسکرین پر دیکھا تو اب کی بار کیمرے کے سامنے چاچی تھی جو اور کچھ نہیں بولی سوائے اس کے۔

”یہ سب لوگ سچ کہہ رہے ہیں، یہ کھیل سب کھلی آنکھوں سے دیکھتے آئے ہیں۔“ چاچی اس رپورٹ کی آخری چشم دید گواہ تھیں۔جنہوں نے اسے سچ بتانے میں چھ مہینے لگادیئے تھے۔

”دن میں سونا اور راتوں کو جاگنا...!“ کتنا کڑوا سچ بن گیا تھا... ہمیشہ کے لیے۔

ختم شد